Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مختار مسعود اور سقوطِ ڈھاکہ

MUKHTAR MASOOD AND DHAKA DEBACLE

خرم عباس ورک
(اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو گورنمنٹ گریجوایٹ کالج شیخوپورہ)

Abstract

Mukhtar Masood was an ideological writer who was an ardent believer of two nation theory. As a student not only he took part in Pakistan movement but also plays a constructive role as a dutiful officer later on. He was a renowned honest and intelligent bureaucrat He observed constitutional crisis and Dhaka debacle with his own eyes and he had a specific opinion about it. He had strong belief in law and democracy and he lamented on replacement of law with Doctrine of necessity which according to him is the mother of all evils in Pakistan. According to him, in 1958 the foundation of Dhaka debacle had been laid which emerged fully in 1971.He considered it the result of constitutional high handedness.

Mukhtar Masood from Awaz e Dost to Harf e Shoq, in his four books emerges as an ardent advocate of law, ideology and democracy.

Key words: Dhaka debacle, Doctrine of necessity, law and democracy.

ملخص

مختار مسعود ایک نظریاتی ادیب تھے اور دو قومی نظریہ پر مکمل یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک طرف طالب علم کے طور پر تحریک پاکستان پر حصہ لیا اور دوسری طرف ایک ذمہ دار اور فرض شناس سرکاری آفیسر کے طور پر تعمیر پاکستان کے کام میں عملی حصہ ڈالا ان کی عمومی شہرت ایک قابل اور دیانت دار بیوروکریٹ کے طور پر ہے۔ انھوں نے پاکستان کے آئینی بحرانوں اور سقوطِ ڈھاکہ کا مشاہدہ کیا اور وہ اس حوالے سے اپنی رائے رکھتے تھے۔ ان کے ہاں آئین قانون اور جمہوریت پر کامل یقین نظر آتا ہے اور ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے بیشتر مسائل یہاں آئین کی جگہ نظریہ ضرورت کو دینے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے نزدیک سقوطِ ڈھاکہ کی بنیادیں ۱۹۵۸ کے مارشل لا نے رکھ دی تھی جو ۱۹۷۱ء میں مکمل سانحہ کی صورت میں سامنے آیا۔ ان کے نزدیک پاکستان ٹوٹنے کی وجہ اداروں کا اپنے اختیارات سے تجاوز کرنا ہے۔

مختار مسعود نے آوازِ دوست سے حرفِ شوق تک اپنی چاروں تصانیف میں اپنی نظریاتی جہت اور قانون او آئین پر اپنے کامل یقین کا واضح الفاظ میں اظہار کیا ہے۔

بنیادی الفاظ:۔ سقوطِ ڈھاکہ، مختار مسعود، بیوروکریٹ، نظریہ ضرورت، جمہوریت

مختار مسعود ان خوش قسمت شخصیات میں سے ایک تھے جن کا تمام تعلیمی سفر علی گڑھ کی مردم خیز فضا میں مکمل ہوا۔ ان کی تعلیم کا زمانہ وہ تھا جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی اور حصول پاکستان کی منزل قریب تر نظر آنے لگی تھی۔ انھوں نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن علی گڑھ کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان کے کام میں عملی شرکت کا اعزاز بھی حاصل کیا اور پھر ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے پہلے سول سروس گروپ میں منتخب ہونے کے بعد ایک فرض شناس اور ایماندار آفیسر کی حیثیت سے تعمیر پاکستان کے کام میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ سول سروسز کا حصّہ بننے کے باعث انھیں پاکستان کے آئینی اور قانونی ڈھانچے میں موجود خامیوں سے آگاہی کا بھی موقع ملا۔ آئین اور قانون کی بالادستی کے حوالے سے مختار مسعود کا مؤقف بڑا واضح اور غیر مبہم ہے اور آئین کی پامالی اور نظریہ ضرورت کو یہ سب مسائل کی جڑ متصور کرتے ہیں۔ آئین کی پامالی اور ہوسِ اقتدار کے باعث پاکستان کے دولخت ہونے کا سانحہ رونما ہوا۔ اس سانحہ کے نتیجے میں مختار مسعود کے دل پر جو زخم لگا وہ تما م عمر ہرا رہا۔ وہ بار بار اپنے کٹے ہوئے بازو کو یاد کرتے ہیں اور اسے قومی سطح پر فراموش کرنے کے عمل پر گہرے تاسّف کا اظہار کرتے ہیں۔

سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے مختار مسعود نے اپنی چاروں تصانیف آوازِ دوست، سفر نصیب، لوحِ ایام اور حرف، شوق میں جہاں جہاں ضروری تھا اپنی رائے دی ہے اور ان تمام جملہ آراء میں کوئی فکری تضاد موجود نہیں ہے۔ ان کا ردِ عمل ایک محبِّ وطن پاکستانی کی دردمندی پر مبنی ہے۔ ان کے نزدیک اس سانحہ کا پس منظر تین صدیوں کی غلامی اور فکری پس ماندگی کا تسلسل ہے۔ وہی پسماندگی اور بحران جس کا ذکر انھوں نے " آوازِ دوست " میں مینارِ پاکستان کے حوالے سے کیا۔

> "برِ عظیم میں عالمگیری مسجدے میناروں کے بعد جو پہلا اہم مینار مکمل ہوا وہ مینارِ قرار داد پاکستان ہے۔ یوں تو مسجد اور مینار آمنے سامنے ہیں مگر ان کے درمیان یہ ذرا سی مسافت جس میں سکھوں کا گردوارہ اور فرنگیوں کا پڑاؤ شامل ہیں۔ تین صدیوں پر محیط ہے۔ میں مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھا ان تین گمشدہ صدیوں کا ماتم کر رہا تھا۔ مسجد کے مینار نے جھک کر میرے کان میں راز کی بات کہ دی، جب مسجدیں بے رونق اور مدرسے بے چراغ ہو جائیں، جہاد کی جگہ جمبو داور حق کی جگہ حکایت کو مل جائے، ملک کے بجائے مفاد اور ملّت کے بجائے مصلحت عزیز ہو اور جب مسلمانوں کو موت سے خوف آئے اور زندگی سے محبت ہو جائے تو صدیوں یوں ہی گم ہو جاتی ہیں۔"(۱)

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد مختار مسعود کا ردِّ عمل غیر جذباتی مگر گہرا تاثر لیے ہوئے ہے۔ ان کی تحریروں میں اس سانحہ کو طنز ملیح کے ذریعے بیان کیا گیا ہے اور اس طنز میں ایک تجزیہ اور استدلال موجود ہے اور کہیں کہیں یوں محسوس ہوتا کہ حکومتی ایوانوں میں اعلیٰ عہدے پر متمکن ہونے کے باعث انھوں نے اس سانحہ کی چاپ بہت پہلے سن لی تھی اور یہ سانحہ ان کے نزدیک کوئی ایسا غیر متوقع نہیں تھا۔

مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے مابین پیدا ہونے والی سیاسی خلیج کے پس منظر میں جہاں بنگالی قوم پرستی کا کلیدی کردار ہے وہاں مغربی پاکستان کی اشرافیہ کی تعصب پر مبنی سیاسی حکمت عملی بھی اس سانحہ کا بڑا سبب ہے۔ بطور صوبہ مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں سے آبادی کے لحاظ سے بڑا تھا مگر اُسے حقِ حکمرانی سے محروم رکھا گیا۔ اردو کو قومی زبان کے طور پر قبول

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کرنے سے نکار کے پس منظر میں بھی بنگالی قوم پرستی کا عمل دخل تھا اور قائداعظم کی موجودگی میں یہ مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ بنگالی قوم کا بنگلہ زبان کو دوسری قومی زبان قرار دینے کا مطالبہ جب منظور کیا گیا تو اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ معاشی و سیاسی عدم مساوات اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے بنگالی مغربی پاکستان سے بد ظن ہو چکے تھے۔ شیخ مجیب الرحمن کی تحریک اور چھ نکات دراصل اسی احساسِ محرومی کا شاخسانہ تھے۔ عوامی لیگ بنگالیوں میں یہ احساس پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ مغربی پاکستان اکثریت میں ہونے کے باوجود ہمیں جمہوری حقوق دینے سے گریز کر رہا ہے اور غیر جمہوری ہتھکنڈوں سے ہمیں تاحیات اپنا غلام رکھنا چاہتا ہے۔

شیخ مجیب الرحمن نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اپنی انتخابی مہم چھ نکات کی بنیاد پر چلائی اور ان انتخابات کو اپنے چھ نکات اور اس کی روشنی میں نئے آئین کی تشکیل کے لیے ریفرنڈم قرار دیا۔ بنگالیوں میں ان چھ نکات کو غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی اور عوامی لیگ مشرقی پاکستان کی ۱۶۹ میں سے ۱۶۷ نشستوں پر کامیاب قرار پائی عوامی لیگ نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت وفاق کی حامی جماعتوں کو خوف زدہ کرنے کا کام کیا۔ اس نے مکتی باہنی کے ذریعے مخالفین کے جلسوں کو سبوتاژ کیا۔ اس کی سب سے بڑی مثال جماعت اسلامی کا ۱۷ جنوری ۱۹۷۰ کا جلسہ تھا۔

> ”دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ عوامی لیگ کے رویے کی بنیادی قدر بھی یہی تھی کہ آیا وہ دونوں صوبوں کے درمیان یگانگت پھیلاتی ہیں یا منافرت! اس نے جماعتِ اسلامی کے جلسے کو مبینہ طور پر اس لیے درہم برہم کیا تھا کہ یہ دونوں صوبوں کے درمیان اسلامی رشتے پر زور دیتی تھی۔ اس ابتدائی واقعہ سے عوامی لیگ نے جماعت پر ایسی کاٹھی ڈالی کہ آئندہ انتخابی مہم کے دوران بھی اس نے اپنا غلبہ قائم رکھا اور جماعت دب کر رہ گئی۔ اس کے علاوہ عوامی لیگ نے پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی (پی ڈی پی) کے جلسوں میں یکم فروری، ۲۸ فروری، ۷ مارچ کو بالترتیب ڈھاکہ، چٹاگانگ اور سیّد پور میں گڑبڑ کی اور ۱۰ مارچ، ۱۵ مارچ، ۱۲ اپریل کو کومیلا، باریسال اور ڈھاکہ میں کنونشن مسلم لیگ کے جلسوں کو ناکام بنایا۔ اسی طرح اس نے اپنے سیاسی حریفوں کے قدم جمنے نہ دیئے۔ (۲)

اس صورتِ حال میں انتظامیہ نے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کی اور فیڈریشن کی حامی جماعتوں کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام ہو گئی جس کا خمیازہ پاکستان کو سقوط ڈھاکہ کی صورت میں بھگتنا پڑا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مجیب الرحمن کی کامیابی کے بعد چھ نکات کی روشنی میں نئے آئین کی تشکیل اور انتقالِ اقتدار اتنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ مغربی پاکستان کی بیشتر سیاسی قوتیں مجیب الرحمٰن کی سیاسی شخصیت کے بارے میں شدید تحفظات کا شکار تھیں اور اگر چھ نکات پر ان کی پوری سپرٹ کے ساتھ عمل کیا جاتا تو دوسرے صوبوں کو وفاق کا حصہ رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس کے نتیجے میں پاکستان پانچ ٹکڑے ہو جاتا۔ اس کا اظہار مغربی پاکستان کے معروف صحافی زیڈ اے سلہری نے ۱۴ فروری ۱۹۷۱ء کو پاکستان ٹائمز میں شائع ہونے والے مضمون میں کچھ یوں کیا۔

> ”عوامی لیگ چھ نکات کے مطابق مشرقی پاکستان کے لیے خود مختار کا مطالبہ کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مغربی پاکستان میں بھی اس کے اطلاق کو روکا نہیں جا سکتا۔ مشرقی پاکستان میں تو جغرافیائی صورتِ حال کے پیشِ نظر اس مطالبے کی حمایت کی جا سکتی ہے لیکن مغربی پاکستان میں صورت برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرقی پاکستانی کی علیحدگی کو تو روکا نہیں جا سکتا جبکہ چھ نکات کے اطلاق کے بعد مغربی پاکستان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔“ (۳)

مجیب الرحمن کے چھ نکات جن کا بڑا چرچا ہوا درج ذیل ہیں

۱۔ قراردادِ لاہور کے مطابق آئین کو حقیقی معنوں میں ایک فیڈریشن کی ضمانت دیتے ہوئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب مقننہ کی بالادستی اور پارلیمان طرزِ حکومت پر مبنی ہونا چاہیے۔

۲۔ وفاقی حکومت صرف دو محکمے یعنی دفاع اور امورِ خارجہ اپنے پاس رکھے گی، جب کہ دیگر محکمے وفاق کی تشکیل کرنے والی وحدتوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔

۳(الف) ملک کے دونوں بازوؤں میں دو علیحدہ مگر باہمی طور پر تبدیل ہو جانے والی کرنسی متعارف کرائی جائے۔ یا

(ب) پورے ملک کے لیے ایک ہی کرنسی رائج کی جائے، تاہم اس کے لیے مؤثر آئینی دفعات کی تشکیل ضروری ہے تاکہ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان کو رقومات کی ترسیل روکی جا سکے۔ مشرقی پاکستان کے لے علیحدہ بینکنگ ریزروز قائم اور الگ مالیاتی پالیسی اختیار کی جائے

(۴) محاصل اور ٹیکسوں کی وصولی کے اختیار کو وفاق کی وحدتوں کے پاس رکھا جائے۔ مرکز کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں ہونا چاہیے تاہم فیڈریشن وفاقی وحدتوں کے ٹیکسوں میں حصے دار ہو گی تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ ایسے وفاقی فنڈز پورے ملک سے جمع ہونے والے ٹیکسوں کے طے شدہ فیصد تناسب پر مشتمل ہوں گے۔

(۵)(الف) دونوں بازوئوں میں زرِ مبادلہ کی آمدنی کے لیے دو علیحدہ اکاونٹس ہونے چاہئیں اور

(ب) مشرقی پاکستان کی آمدنی کو مشرقی پاکستانی اور مغربی پاکستان کی آمدنی کو مغربی پاکستان کے کنٹرول میں ہونا چاہیے۔

(ج) مرکز کے زرِ مبادلہ کی ضروریات کو دونوں بازوؤں کو مساوی طور پر یا کسی طے شدہ تناسب کے مطابق پوری کرنا ہوں گی۔

(د) ملکی مصنوعات کی دونوں بازوؤں کے درمیان میں آزادانہ نقل و حمل پر کوئی ڈیوٹی عائد نہیں کی جائے گی۔

(ہ) آئین کی رو سے وفاقی وحدتوں کی یہ اختیارات حاصل ہوں گے کہ وہ غیر ممالک میں تجارتی مشن کے قیام کے ساتھ تجارتی معاہدے نیز تجارتی تعلقات قائم کر سکیں۔

(۶) مشرقی پاکستان کے لیے ملیشیا یا ملٹری فورس کا قیام

(ur-m-wikipedia-org dated 25-06-2022)

ان نکات میں کوئی ایک نکتہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے مضبوط وفاق کی کوئی ہلکی سی امید بھی نظر آتی ہو اس پہ دو کرنسیوں اور مشرقی پاکستان میں الگ ملیشیا اور ملٹری فورس کا قیام مکمل علیحدگی کی بنیاد نظر آتا ہے۔ لیکن فوجی قیادت کے ساتھ مذاکرات میں شیخ مجیب الرحمٰن بعض نکات پر لچک دکھانے پہ تیار ہو گئے تھے خصوصاً دو کرنسیوں کا مطالبہ انھوں نے ترک کر دیا تھا۔ بقول جنرل راؤ فرمان علی:

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

" مجیب نے دو کر نسیوں کے تصور سے دستبردار ہونے کی پیشکش کی۔ امداد کے لیے مذاکرات کے بارے میں وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ پاکستان کی سطح پر ایک ٹیم تشکیل دی جائے جس میں اُس حصہ کے ممبران کی اکثریت ہو، جہاں کوئی خاص منصوبہ بروئے کار لانا مقصود ہو۔ یہ قابل اعتراض نہیں بلکہ ایک مثبت اور تعمیری تجویز تھی اور زرِ مبادلہ کی بابت مشرقی پاکستان کا مؤقف تھا کہ صورت حال بدل گئی ہے اور مغربی پاکستان جو زر مبادلہ کماتا ہے وہ کل کا ۵۴ فیصد ہوتا ہے اس لیے اس نکتے پر اصرار کرنے کی صورت میں مشرقی پاکستان خسارہ میں رہے گا۔"(۴)

راؤ فرمان علی کے بقول ایک موقع پر ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان موجود سیاسی اختلافت کو حل کیا جاسکتا ہے مگر بد قسمتی سے صاحبان اقتدار اور مغربی پاکستان کی سیاسی قیادت نے نیک نیتی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے فوجی آپریشن کا سہارا لیا جو بالآخر پاکستان کی بدترین شکست کا باعث بنا۔ لیکن یحیٰی خان کے بقول:

"اس کے بعد میں نے میاں طفیل محمد صاحب، میاں دولتانہ، مفتی محمود، اور ولی خان کو بلایا۔ مجب کو راضی کرنے کے لیے انہوں نے تگ ودو شروع کی اور مجھے آکر بتایا "سر کیا کریں مجیب مانتا نہیں۔" جس رات مجیب کو گرفتار کیا گیا۔ میں مشرقی پاکستان میں ہی تھا اس شام میں نے تمام لیڈروں کو بلایا۔ بھٹو نہیں آیا۔"(۵)

کہنے لگا میں گندے انڈوں سے نہیں مل سکتا۔ ولی خان، دولتانہ، شوکت حیات مفتی محمود یہ سب مجیب کے پاس گئے اور وہاں سے رات گیارہ بجے واپس میرے پاس پہنچے۔ مجھے اٹھا کر بتایا کہ جی وہ تو نہیں مانتا۔ میں نے کہا پھر کیا کریں کہنے لگے سر، آپ صدر ہیں جو مرضی کریں۔

مجیب الرحمن نے کس بنا پر مزید مذاکرات سے انکار کیا اور کس کے ایماء پر کیا۔ اسکا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے صدر یحیٰی خان کے بیان سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ فوجی آپریشن کے فیصلے کو مغربی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں کی حمایت حاصل تھی۔ اور اس کی اصل وجہ چھ نکات ہی تھے۔

اخبارات میں بھٹو کی تصویر کے ساتھ تین کالمی خبر صفحہ اول کا حصہ بنتی ہے۔

"خدا کے فضل و کرم سے پاکستان کو بچالیا گیا۔ اسی روز کی شہ سرخی جنرل یحیٰی خان کی تصویر کے ساتھ تھی۔ 'سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی۔"(۶)

مختار مسعود آئین کی بالادستی پر غیر متزلزل یقین رکھتے تھے۔ آئین اور قانون سے ان کی محبت کی اس سے بڑی کیا دلیل ہو گی کہ انھوں نے اپنی کتب میں کسی ڈکٹیٹر کا اچھے الفاظ میں ذکر نہیں کیا بلکہ جگہ جگہ ان کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ جنرل یحیٰی خان کے ذاتی کردار اور بالخصوص جنسی بے راہ روی کو انھوں نے بالخصوص نشانہ تنقید بنایا ہے۔ ان کے نزدیک پاکستان کے تمام مسائل کی جڑ آئین شکنی اور نظریہ ضرورت کا تصور ہے۔ اور بد قسمتی سے ہم نے نظریہ ضرورت کو اپنا نظریہ بنالیا ہے۔ صدر ایوب خان کے انقلاب کو انھوں نے ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھا اور علی گڑھ سے اپنی بے انتہا محبت کے باوجود اپنی کتب میں کہیں پہ ذکر نہیں کیا کہ صدر ایوب خان کا تعلق بھی علی گڑھ سے تھا۔

سقوط ڈھاکہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"ایک رات جاگ کر گزاری تو اس رات آزادی کی نعمت ہمارے حصے میں آئی۔ یہ اگست 1947ء کی بات ہے۔ اک رات سو کر اٹھے تو دنیا ہی بدلی ہوئی پائی۔ مجلس قانون ساز کو لاقانون قرار دیا جاچکا تھا۔ اور آئین سے وفاداری کا حلف اٹھانے والے اسے منسوخ کر چکے تھے۔ یہ اکتوبر 1958ء کی بات ہے۔ اس کے بعد ہر بلا خانہِ انوری پر نازل ہونے لگی اور برق نے بے چارے مسلمانوں پر گرنا سیکھ لیا۔ ہم نے لاکھ تقریریں کیں۔ خوش خیال اور دھواں دھار، مگر تاریخ نے ہماری ایک نہ سنی، ہم نے بڑے بڑے منصوبے تیار کیے۔ دنیا نے ان کی تعریف بھی کی مگر تاریخ نے ہماری ایک بھی نہ چلنے دی۔ تاریخ نے اپنا رشتہ ہمارے اعمال کے ساتھ استوار کر لیا اور ایک دن ہمیں ڈھاکہ رلس کورس میں لا کھڑا کیا، یہ دسمبر 1971ء کی بات ہے۔"(۷)

مختار مسعود کے نزدیک اسلام ہی واحد ایسی قت ہے جو دنیا کے تمام خطوں میں رہنے والے مختلف رنگ و نسل کے لوگوں کو ایک لڑی میں پرو سکتی ہے۔ 1971ء کے سانحہ کے باوجود اس خیال پر ان کا پختہ یقین متزلزل نہیں ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سیاسی مساوات اور آئینی حقوق کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ وہ ان دونوں کو کسی جمہوری ملک کی اساس تصور کرتے ہیں۔

شیخ مجیب الرحمن پاکستان کے سابق وزیر اعظم حسین شہید سہروردی کی جماعت عوامی مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے اور حسین شہید سہروردی اسے مالی مدد بھی فراہم کرتے تھے۔ تاکہ یہ عوامی لیگ کے لیے دل جمعی سے کام کر سکے۔ شیخ مجیب الرحمٰن عوامی لیگ کے لیے کام کرتے ہوئے اپنی تعلیم بھی مکمل نہیں کر پائے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کو پنجاب یونیورسٹی لا کالج میں داخلہ مل جائے اور حسین شہید سہروردی ان کے اخراجات برداشت کریں۔ اس کام کے لیے شیخ مجیب الرحمن نے مغربی پاکستان کا سفر اختیار کیا اور حسین شہید سہروردی نے اسے میاں افتخار الدین کے ہاں ٹھہرایا۔ تحریک پاکستان کے ایک اہم رکن خواجہ افتخار سے شیخ مجیب الرحمن کو حسین شہید سہروردی نے ملایا تو انھیں شیخ مجیب کے خیالات سے آگاہی کا موقع ملا۔ پہلی ملاقات میں خواجہ افتخار نے شیخ مجیب الرحمٰن کی معاشی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اسے پڑھ کر مشرقی پاکستان کے لوگوں کی عمومی معاشی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہم ابھی جواب سننے کے لیے گوش بر آواز تھے کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے کمرے کا دروازہ کھولا، ہم نے اشتیاق بھری نظریں اٹھائیں تو ایک دبلا پتلا سانولے رنگ کا نوجوان ہمارے سامنے تھا۔ اس نے سفید کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا، ہماری نگاہ اس کے کرتے کی طرف پڑی تو کیا

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

دیکھتے ہیں کہ کرتے کے دو بٹن بھی غائب تھے اور پاؤں میں ربڑ کی معمولی سی چپل تھی۔ جس پر جمی ہوئی میل اس کی مفلوک الحالی اور افلاس کی غمازی کر رہی تھی۔"(۸)

اس مفلوک الحالی اور غربت نے بھی احساس محرومی پیدا کر رکھا تھا۔ اوراس کا سبب مغربی پاکستان ہی کو سمجھتے تھے۔ حسین شہید سہروردی ساٹھ کی دہائی کے آغاز میں وفات پا گئے اور عوامی لیگ کی قیادت شیخ مجیب الرحمٰن کے ہاتھ آگئی اور پھر چند برسوں میں یہ جماعت مشرقی پاکستان کی سب سے بڑی جماعت بن کر ابھری۔

مختار مسعود دور اندیش انسان تھے۔ اور غیر آئینی فیصلوں کے مضمرات سے آگاہ تھے۔ ایوب خاں کے انقلاب کو بھی انھوں نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ایک زمانے میں ہنزہ کی سیر کے لیے گئے تو میر آف ہنزہ سے بھی ملے۔ میر آف ہنزہ نے مہمانوں کی کتاب میں ان سے تاثرات لیتے ہوئے ایک اہم شخصیت کے دستخط دکھائے۔

"(میر آف ہنزہ)میر صاحب کہنے لگے، مہمان نامہ پھر کھولیے کہ اس میں جنرل ایوب خاں کے دستخط بھی ہیں۔ ذرا ان کے نیچے جو تاریخ درج ہے اس پر غور کیجیے۔ وہ فوجی انقلاب برپا کرنے سے چند دن پہلے یہاں آئے تھے۔۔ ہنزہ کی نکھری فضاء میں انھیں ملکی کی تاریخ اور مستقبل کے بارے میں اہم ترین فیصلہ کرنے میں آسانی ہوئی ہو گی۔ وہ ایوب خانی انقلاب کی کامیابی کا ابتدائی دور تھا۔ اس وقت یہ بات میر صاحب کے وہم و گمان میں نہ ہو گی۔ کہ انقلاب کے انجام پر بھی ہنزہ کی چھاپ ہو گی۔ اس عہد کا اختتام چھ نکات کی ریت اڑنے سے اتنا گدلا ہو گیا جتنا ہنزہ کا پانی"(۹)

مختار مسعود کے اسلوب کا ایک خاص حسن یہ ہے کہ وہ تمثیل اور کہانیوں کے ذریعے اپنے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تاریخ کا مطالعہ بڑا وسیع ہے۔ اس لیے انھیں تاریخ سے مثالیں ڈھونڈنے میں بڑی آسانی رہتی ہے۔ ہمارے ہاں مطلق العنان حکمرانی نے جمہوری مزاج کو نشوونما پانے سے روکا اور جمہوری راہنماؤں نے بھی مطلق العنانی کا ساتھ دیا۔ آمروں نے اپنی طاقت کے زور پر آئین، قانون اور پارلیمنٹ کو ربڑ سٹیمپ کی طرح استعمال کیا اور جمہوری اداروں کو پھلنے پھولنے کا کوئی موقع فراہم نہ کیا۔ جنرل ایوب خان کے مقابلے میں مادرِ ملت فاطمہ جناح کی شکست بھی پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک تاریک باب ہے اس شکست نے بالآخر سقوطِ مشرقی پاکستان کی راہ ہموار کی۔

مثنوی مولانائے روم میں ایک حکایت بیان ہوئی ہے جس میں ایک شخص سردی میں ٹھٹھرے ہوئے منجمد اژدہے کو مردہ سمجھ کر جنگل سے اپنے گھر لے آیا۔ گرمیاں آئیں تو یہ اژدھا اس کو نگل گیا۔ وہ اژدھا در اصل نفس انسانی تھا۔ مختار مسعود بتاتے ہیں کہ برفانی تودے بھی مولانا روم کے تمثیلی اژدھے سے ملتے جلتے ہیں:

"ہر انسان کے دل میں وہ ہزاروں خواہش جن پر دم نکلتا ہے منجمد ہو کر ایک برفانی تودے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اقتدار کی گرمی ملے۔ اقتدار کی گرمی ملے یا شباب کی حرارت یہ تودے پگھل کر تیزی سے نشیب کی طرف جاتے ہیں۔ جو کچھ ان کی راہ میں آتا ہے۔ سب حس و خاشاک کی طرح بہہ جاتا ہے۔ اقتدار ہو کہ اقدار، اسلاف کی عزت ہو کہ سادات کی عزت برفانی تودے اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ جب وہ ٹوٹیں تو بہت کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔ آئین اور اتحاد حکومت اور ملک" (۱۰)

مختار مسعود نے سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے زیادہ نہیں لکھا مگر جو لکھا ہے اس اختصار میں بھی جامعیت ہے۔ قیام ایران کے زمانے میں ان کا گزر اس بڑے شامیانے کے پاس سے ہوا جس میں ایک زمانے میں شہنشاہ ایران نے ایک سہ روزہ تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں دو چار بادشاہ، پانچ دس صدر، دس بیس وزیر اعظم، اور سو پچاس وی۔ آئی۔ پی مدعو تھے مہمانوں میں شامل ایک صدر کا نام یحییٰ خان تھا۔ یحییٰ خان نشے میں دھت تھے اور ان کے ساتھ منا کو کی شہزادی گریس اکیلی بیٹھی تھی جو ہالی وڈ کی سابق فلم سٹار تھی۔ شہزادی کا لباس اوپر سے کھلا تھا اور اس کا شانہ نظر آرہا تھا صدر یحییٰ نے ہاتھ پھیر کر یہ دیکھنا چاہا کہ گریس کی جلد واقعی اتنی ملائم اور شفاف ہے یا نشے کی وجہ سے اس کی آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔

"بھلے وقتوں میں آغا جان نسوانی جلد کی پرکھ کے نامور ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ عمر بڑی ہو گئی ہے عہدہ بہت بڑا ہو گیا ہے۔ بری عادت نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ انھوں نے ہم نشیں کے جسم کو چھو لیا۔ یہ تجسس ماہرانہ بے اختیاری کا نمونہ تھا۔ مگر گریس صاحبہ کو ہمارے صدر کی یہ معصوم اور بے ضرر حرکت ناگوار گزری۔ وہ فلم سوسائٹی کی ہیروئن تھی اور پچھلے پندرہ برس سے مناکو کے شہزادہ رینئر کی ملکہ کی حیثیت سے ہائی سوسائٹی کے تمام آداب سے واقف تھی۔ اس نے غصہ بھری نگاہ ڈالی، پہلو بدلا اور ہم نشین کی طرف پشت کر لی۔"(۱۱)

"لوحِ ایام" کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صدر یحییٰ خان اتنے بلا توش تھے کہ پتلون میں پیشاب خطا ہو جاتا تھا۔ مذکورہ بالا دعوت میں بہت سے سربراہان مملکت انھیں مشرقی پاکستان کے حالات پر مشورہ دینے کے خواہش مند تھے مگر صدر صاحب نے تیاری میں دیر کر دی بلکہ تیار ہوئے تھے کہ پتلون میں پیشاب خطا ہو گیا اور پھر ڈریسنگ روم لوٹنا پڑا۔ جب ایک سربراہ مملکت کی یہ حالت ہو تو پھر سقوط ڈھاکہ جیسے سانحہ کو کیسے روکا جا سکتا ہے؟

مناکو کی شہزادی والے واقعہ سے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ رنج و غم مغربی پاکستان کے حصہ میں آیا اور غصہ و غضب مشرقی پاکستان کے حصے میں آیا۔ غصے میں مشرقی پاکستان نے فیصلہ کیا کہ جس ملک کے صدر کا یہ حال ہو کہ مناکو کی چھوٹی سی ریاست کے آگے ہتھیار ڈال دے اس میں شامل رہنے سے خودکشی بہتر ہے۔ بس یہ کہا اور مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش رکھ دیا۔

مختار مسعود سقوطِ ڈھاکہ اور ذلت آمیز شکست کے مناظر کو ساری عمر نہیں بھولے اس سانحہ نے انھیں مرتے دم تک بے چین رکھا یہی وجہ ہے کہ ان کی آخری تصنیف "حرف شوق" میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ سٹالن گراڈ کے مقام پر جرمن فیلڈ مارشل پالس اور نوے ہزار فوجیوں کے ہتھیار پھینکنے کی دستاویزی فلم دیکھتے ہیں تو انھیں اپنے نوے ہزار قیدی اور جنرل نیازی یاد آتے ہیں۔ مگر وہ اس بات پر تاسف کا اظہار کرتے ہیں کہ جرمن سپاہی تو گھر سے فاتح کی طرح نکلے تھے اور ہمارے سپاہی اپنے ہی گھر میں گرفتار ہو گئے۔

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مختار مسعود کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جو قومیں اپنی تاریخ کو فراموش کر دیتی ہیں۔ ان کا جغرافیہ ان سے چھن جاتا ہے۔ فتح سے زیادہ زندہ قومیں اپنی شکست کو یاد رکھتی ہیں۔ ان کے ہاں اس پر بھی بار بار تاسف کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہم نے آدھا پاکستان گنوا دیا ہے۔ ہمارا ایک بازو کٹ کر جدا ہو گیا مگر ہمیں اس سانحہ کا احساس تک نہیں ہے۔ ہم نے نہ اس شکست سے کوئی سبق سیکھا ہے اور نہ اسے یاد رکھا ہے۔ اپنی آخری کتاب "حرف شوق" میں سقوطِ ادرنہ کے حوالے سے ترک قوم کے کردار کا اپنے قومی کردار سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> "جب میں آر سی ڈی کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے ادرنہ (ایڈریانوپل) گیا تو سقوط ادرنہ کے عنوان کے تحت لکھی گئی تحریر کا پہلا جملہ میرا ہم سفر تھا۔ اس نے اکسایا اور میں نے سوال کیا۔ گائیڈ نے ٹھہر ٹھہر کر صاف نظر آنے والی دل شکستگی کے ساتھ ایک خود دار ترک کی حیثیت سے تاریخ کا ورق الٹا۔ ایک ہم ہیں کہ احتیاط نہ غیرت۔ ڈھاکہ کے ریس کورس گراؤنڈ میں جو کچھ ہوا۔ اس کا ذکر آجائے تو فر فر کہانی کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے واردات بہت پرانی ہو، حقیقت ہو دوسروں پر گزری ہو۔"(۱۲)

مختار مسعود ایک نظریاتی ادیب ہیں اور ان کی یہ نظریاتی جہت ان کے اسلوب کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے ان کے خیالات ایک سچے اور پکے پاکستانی کے خیالات ہیں۔ ان کے ہاں ملی احساس کی چمک دمک بہت نمایاں ہے۔ ان کی فکر ان کی تحریروں میں یوں رواں دواں ہے جیسے زندہ انسانی جسم میں لہو دوڑتا ہے

حوالہ جات

۱۔ مختار مسعود: آوازِ دوست، لاہور، شاہ بیگم اور شیخ عطاء اللہ ٹرسٹ ۲۰۱۹، بیالسواں ایڈیشن ص:۲۳

۲۔ صدیق سالک: میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، لاہور، قومی پبلشرز، ۱۹۸۱ء (دوسرا ایڈیشن ص ۲۶)

۳۔ زیڈ اے سلہری بحوالہ ڈاکٹر صفدر محمود: پاکستان کیوں ٹوٹا، لاہور، جنگ پبلشرز ۱۹۹۰ء ص ۱۴۷

۴۔ جنرل راؤ فرمان علی: پاکستان دولخت کیے ہوا: لاہور جنگ پبلشرز! ۲۰۰۰ء ص:۶

۵۔ منیر احمد منیر، المیہ مشرقی پاکستان۔ پانچ کردار، لاہور، آتش فشاں ۱۹۸۶ (پانچواں ایڈیشن) صفحہ نمبر ۶۹

۶۔ روزنامہ نوائے وقت، راولپنڈی، ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء

۷۔ مختار مسعود، آوازِ دوست، صفحہ ۱۸۶

۸۔ خواجہ افتخار۔ دس پھول ایک کانٹا، لاہور الحمد پبلی کیشنز ۲۰۰۱ (ششم) ص ۳، ۲

۹۔ مختار مسعود: سفر نصیب، لاہور، شاہ بیگم و شیخ عطاء اللہ ٹرسٹ۔ ۲۰۱۹ (اٹھارواں ایڈیشن) صفحہ نمبر ۱۰۸، ۱۰۷

۱۰۔ مختار مسعود، سفر نصیب ص ۱۲۲

۱۱۔ مختار مسعود: لوحِ ایام، لاہور، شاہ بیگم اور شیخ عطاء اللہ ٹرسٹ ۲۰۱۹ انیسواں ایڈیشن) صفحہ نمبر ۳۶۹

۱۲۔ مختار مسعود، حرفِ شوق، لاہور، العطا ستمبر ۲۰۱۷ (دوم) ص ۳۸۴